مرثیہ

مداحی و پیروی

تعداد بند...... ۱۱۴

شاعر اہلبیت مولوی سید قائم مہدی نقوی ساحرؔ اجتہادی کراچی، پاکستان

تبصرہ

پروفیسر شبیہ الحسن صاحب

جدید مرثیہ ابھی اپنی شباب کی منزل پر نہیں پہنچا کہ ہر چہار طرف سے اعتراضات کے تیر چلنا شروع ہو گئے۔ کسی نے اس پر خشکی کا الزام لگایا، کسی نے کہا یہ مقالہ ہے مرثیہ نہیں۔ ایک گروہ نے اسے مرثیے کے بجائے مسدس کہا اور سب سے بڑا اعتراض یہ کیا گیا کہ جدید مرثیے سے کوئی عملی زندگی کی نوید نہیں ملتی۔ ادیبوں اور دانشوروں کے مقالات پر مبنی تخیلات کو نظم کا جامہ پہنا دیا جاتا ہے۔ یا کسی مقرر کی تقریر کا خلاصہ نظم کی صورت میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ جس میں نہ کوئی اخلاقی پہلو ہوتا ہے، نہ تہذیب کی کوئی رمق دکھائی دیتی ہے۔ قدیم مرثیوں میں کم سے کم اتنا تو تھا کہ اخلاقی قدریں اجاگر کی جاتی تھیں۔ مرد، عورتیں اور بچے انہیں پڑھ کر سبق حاصل کرتے تھے اور ایک مہذب معاشرہ تشکیل پاتا تھا۔ جدید مرثیہ گو اپنے مرثیوں میں خیال آرائی کر کے لوگوں کو اپنے نظریات کا پابند بنانا چاہتے ہیں جن سے قدم قدم پر اختلاف کیا جاتا ہے اور مجلس سے اٹھنے کے بعد بحث کا اک ایسا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس کی انتہا کسی شخص کے بس میں نہیں ہے۔

ہم شکر گزار ہیں جناب ساحرؔ لکھنوی کے کہ انہوں نے زیرِ نظر مرثیے میں سارا زور اس امر پر لگایا ہے کہ عقیدہ عمل کے بغیر کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ انہوں نے یہ بتانا چاہا ہے کہ اگر عمل ضروری نہیں تھا تو خدا ایک چھپی چھپائی اور بنی بنائی کتاب نازل کر دیتا جسے لوگ پڑھتے اور لطف لیتے۔ لاکھوں انبیائے کرامؑ اور رہنمایانِ اسلام کی دنیا میں آنے کی ضرورت نہ تھی۔ ان رہبروں کا دنیا میں آنا اور اپنے عمل سے قرآن کی تفسیر کرنا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ خدا کا مقصد عملی دنیا میں انسانی کردار کا محاسبہ کرنا ہے۔ ہر دور کے بزرگوں نے خدائی احکام کی اپنے عمل سے تشریح کی ہے اور اس سلسلے میں انہیں مصیبتیں جھیلنا پڑیں۔ شہادتیں دینا پڑیں۔ آل و اولاد کی قربانی دینا پڑی۔ گھر لٹانا پڑا۔ اور ایسے ایسے مصائب جھیلنا پڑے جن کے ذکر سے کلیجہ پاش پاش ہو جاتا ہے۔

زیر نظر مرثیے میں حمد و نعت کرنے والے متعدد شعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جب تک انسان اپنی خودی کو ترک نہیں کرے گا وہ نہ میثمؒ بن سکتا ہے نہ شہدائے کربلا کا مرتبہ پا سکتا ہے۔ یہ تمام حضرات آج دنیا میں اسی لئے سرفراز ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسولؐ اور آلِ رسولؐ کی پیروی کی۔

ساحرؔ لکھنوی نے اس مرثیے میں نظری اور عملی تضادات کی تصویریں کھینچ کر نہ صرف مرثئے کے وقار کو بلند کیا بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ فنِ مرثیہ نگاری پر ان کی گرفت کتنی مضبوط ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ایک طرف تو ہم محمدؐ و آلِ محمدؐ کی پیروی کا دم بھرتے ہیں اور دوسری طرف خمس ادا کرنے میں کوتاہی برتتے ہیں۔ ایک طرف ہم فاطمہؑ بنتِ رسولؐ کے حسنِ انتظام اور ان کے پردے کا

تذکرہ کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنی بچیوں کو برہنہ سر بازاروں میں سیر کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ محمدؐ وآلِ محمدؐ نے زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ اپنایا اور جس طرح زندگی گزار کر دکھلایا آج ان کے ماننے والے ان کے عمل سے کوسوں دور دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اسی تضادِ عمل کا نتیجہ ہے کہ پوری قوم ایک شدید بحران میں مبتلا ہے۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے ہمیں جو سبق دیئے تھے اور عمل کی جو راہیں متعین کی تھیں ہم انہیں بھول چکے ہیں اور اگر کوئی ان کی تلقین کرتا ہے تو ہم اسے قدامت پسندی کہہ کر ان سے اپنا دامن بچا لیتے ہیں۔

ساحرؔ لکھنوی نے واقعاتِ کربلا کی پوری تفصیل سے گریز کرتے ہوئے صرف قاسمؑ ابن حسنؑ کے کردار کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اس امر کی بھی تردید کی کہ جناب قاسمؑ کا نکاح شبِ عاشورہ میں ہوا تھا، بلکہ یہ بتایا کہ یہ نکاح روزِ عاشورہ جناب قاسمؑ کی شہادت سے چند ساعت پہلے سرانجام پایا تھا۔ امام حسینؑ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے برادرِ بزرگ کی یادگار کو مٹنے دیں۔ اسی لئے جب بھی جناب قاسمؑ نے جنگ کی اجازت مانگی تو آپ نے انکار کر دیا۔ لیکن جناب قاسمؑ میں پیرویٔ حق کا ایسا جذبہ موجزن تھا کہ وہ سب سے پہلے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا چاہتے تھے۔ جناب ساحرؔ اس موقع پر بڑی خوبصورتی سے اپنے عنوان کا دفاع کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اور اختتامِ مرثیہ تک انہوں نے اپنے عنوان کو کہیں نظر انداز نہیں کیا۔

مجھے یقینِ کامل ہے کہ اس مرثیے کو پڑھ کر ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانا چاہئیں جو یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ جدید مرثیے سے کوئی اخلاقی درس نہیں ملتا اور وہ عمل کی طرف رغبت نہیں دلاتا۔

جناب ساحرؔ لکھنوی زبان و بیان کے لحاظ سے ایک مستند شاعر ہیں۔ ان کی زبان میں ایک ایسا لوچ ہے جو مرثیے کے شائقین کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ نہ کسی مصرعے میں جھول، نہ کوئی لفظ غیر مانوس اور ہر بند دوسرے بند سے اس طرح منسلک ہے جیسے موتی کی لڑی میں موتی ہوتے ہیں۔

زبان کا ذکر آ گیا ہے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس ۱۱۴ ربند کے مرثیے میں ایسے ایسے نایاب محاورے اور ایسی ایسی عمدہ تراکیب استعمال ہوئی ہیں جنہیں پڑھ کر نہ صرف یہ کہ طبیعت خوش ہوتی ہے بلکہ معنی کے نئے نئے دروازے کھل جاتے ہیں۔ لکھنوی زبان کی نفاست اور اردو کی روزمرہ کی فصاحت جس قرینے سے اس مرثیہ میں نظر آتی ہے اس کی مثال کسی اور مرثیے میں تلاش کرنا مشکل ہے۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ جناب ساحرؔ لکھنوی یوں ہی اپنے مرثیوں سے تبلیغِ دین کے علاوہ زبان و بیان کے نکھارنے میں بھی اپنی پوری قوت صرف کرتے رہیں گے۔

مرثیہ

مداحی و پیروی

(بند ۱۱۴)

سنہ تصنیف ۱۹۸۸ء

مولوی سید قائم مہدی نقوی ساحرؔ اجتہادی، پاکستان

(۱)

خدا کی حمد ہے سرنامۂ کتابِ سخن
یہی ہے مطلعِ دیوانِ انتخابِ سخن
یہ حرف وہ ہے زباں جس سے کامیابِ سخن
اس ایک حرف سے کھلتے ہیں لاکھ بابِ سخن
وہ جس کے لب پہ یہ حرفِ جلیل ہوتا ہے
وہ شخص ہم سخنِ جبرئیلؑ ہوتا ہے

(۲)

خدا کی حمد یمِ معرفت کا موتی ہے
یہ تہہ کی چیز ہے، گہرائیوں میں ہوتی ہے
اسی کی چاہ میں فکر آبرو بھی کھوتی ہے
بڑے منجھے ہوئے پیراک کو ڈبوتی ہے
جو ہچکچائے وہ کب اس گہر کو پاتا ہے
جو ڈوب جائے یہ بس اس کے ہاتھ آتا ہے

(۳)

یہ بحرِ معرفتِ حق ہے وہ، خدا کی قسم
کہ جس کی تھاہ نہ پائیں کبھی خیال و قلم
اکھڑنے لگتا ہے اس کے عمق کو دیکھ کے دم
بڑے بڑوں کا یہاں کھل گیا ہے مان بھرم
وہ پار کیا ہو جو حق کا ولی نہیں ہوتا
ہر اک ولی بھی جہاں میں علیؑ نہیں ہوتا

(۴)

خدا کی معرفت ہر اک کے بس کی بات نہیں
یہ وہ ہے وہ جو اسیرِ تخیّلات نہیں
جو آئے فہم بشر میں وہ اس کی ذات نہیں
ہماری عقل کی حد میں تو کائنات نہیں
خدا کی حمد کو درکار ہے زبانِ رسولؐ
بیانِ مصحفِ حق، نطقِ ترجمانِ رسولؐ

(۵)

یہ وہ ہے جس کا لقب ذوالجلالِ و الاکرام
وہ حیٔ و مومن و قیوم و مستعان و سلام
ودود و باری و معبود، سب اسی کے ہیں نام
اسی کی ذات کو کل کائنات میں ہے دوام
اسی سے عالمِ ایجاد ہے، بدیع ہے وہ
تمام رفعتیں ہیں پست، بس رفیع ہے وہ

(۶)

وہی ہے مدرک و مومن، وہی وکیل و کفیل
بصیر و عادل و فرد و احد، مقیل و نبیل
شکور و محسن و ذی عزۃ و منیل و دلیل
لطیف و نور و خبیر و قوی، جلیل و جمیل
بعید و مقتدر و قادر و حسیب ہے وہ
نظر سے دور، رگِ جاں سے بھی قریب ہے وہ

(۷)

وہی ہے برتر و اعلیٰ، وہی علی و عظیم
وہی ہے قاضی و عادل، وہی رحیم و کریم
وہی ہے عالم و حاکم، وہی علیم و حکیم
وہی ابد سے بھی آخر، وہی ازل سے قدیم
اسی نے عقل و حواس و نظر کو خلق کیا
محمدؐ عربی سے بشر کو خلق کیا

(۸)

کسی کا وہ نہیں محتاج، اس کے سب، وہ صمد
نہیں ہے کفو کوئی اس کا خلق میں، وہ احد
نہ کوئی اس کے جد و اب، نہ والدہ نہ ولد
اسی کی شان میں ہے ''لم یلد ولم یولد''
اسی کو مرتبہ خلاقیت کا سجتا ہے
اسی کے نام کا ڈنکا جہاں میں بجتا ہے

(۹)

بغیر معرفت اس کی کہاں ثنا ممکن
حق اس کی حمد کا ہم سے ادا ہو، کیا ممکن
وہ ذاتِ واجب و ہر بندۂ خدا ممکن
میانِ واجب و ممکن، یہ امر ناممکن
جو مدح جنت و حور و قصور ہوتی ہے
اسی کی مدح یہ بین السطور ہوتی ہے

(۱۰)

میں ایک بندۂ عاجز ہوں اے خدائے قدیر
ہے پائے فکر و تخیّل میں جہل کی زنجیر
نہ مجھ کو معرفتِ حق، نہ قدرتِ تحریر
نہ میں نبی و ولی ہوں، نہ میں انیسؔ و دبیرؔ
ورق تو دل کا تری معرفت سے سادہ ہے
بہ ایں ہمہ بھی تری حمد کا ارادہ ہے

(۱۱)

دل اپنے عزم سے خود شرم سار ہے یارب
اسے جسارتِ بے جا سے عار ہے یارب
ترے کرم پہ مگر اعتبار ہے یارب
کہ تو ہی بس مرا پروردگار ہے یارب
ترے حضور جو دستِ طلب دراز کرے
تو اس کو حد سے سوا دے کے سرفراز کرے

(۱۲)

ترے حضور اٹھے ہیں دعا کو ہاتھ جو اب
تری عطا ہے، تری دَین ہے یہ ذوقِ طلب
جو تو نہ چاہے تو ممکن نہ ہو یہ جنبشِ لب
ترے کرم کی کوئی انتہا نہیں یارب
مجھے بھی حمد کی لذت سے آشنا کر دے
مجھے دبیرِ فلک کا قلم عطا کر دے

(۱۳)

مجھے بھی حمد کی صہبا کا جام دے یارب
بہ لطفِ خاص، بہ فیضانِ عام دے یارب
سخنورانِ زمانہ میں نام دے یارب
جہانِ فن میں مجھے وہ مقام دے یارب
دبیرؔ بزم شہِ مشرقینؑ ہو جاؤں
انیسؔ منبرِ ذکرِ حسینؑ ہو جاؤں

(۱۴)

وہی نظر دے جو دی ان بلند بینوں کو
کہ آسمان کروں نظم کی زمینوں کو
سجاؤں بزمِ تخیّل کے مہہ جبینوں کو
نجف کی خاک سے چمکاؤں آبگینوں کو
لکھوں جو نامِ علیؑ لے کے بائے بسم اللہ
صدا یہ عرشِ معلیٰ سے آئے، بسم اللہ

(۱۵)

لکھوں جو نام ترا اشکِ ارغوانی سے
قلم چلے مرا قرطاس پر روانی سے
شباب وہ دے مرے فن کو مدح خوانی سے
نظر چرائے زلیخا بھی اس جوانی سے
ہوں قندِ فکر سے مصری بنے ہوئے مصرعے
زباں پہ آئیں کچھ ایسے ڈھلے ہوئے مصرعے

(۱۶)

لکھوں جو حمد تو بڑھ جائے عز و شانِ سخن
ہو فکر صَرفِ عبادت بہ آن بانِ سخن
ورق ہو حمد کا اک کعبۂ جہانِ سخن
قلم بلالؑ ہو، بانگِ قلم اذانِ سخن
حروف شانہ بشانہ پرے بنائے ہوئے
نمازِ حمد کو مصرعے صفیں جمائے ہوئے

(۱۷)

قلم جو راہِ فصاحت میں گامزن ہو جائے
لکھوں جو حرف وہ تاجِ سرِ سخن ہو جائے
جو منقبت ہو وہ شایانِ پنجتنؑ ہو جائے
جو مرثیہ ہو وہ معراجِ فکر و فن ہو جائے
وہ کام ہو جو قلمکارِ حق شناس کا ہے
وہ نام ہو جو نسیمؔ سخن اساس کا ہے

(۱۸)

نسیمؔ باغِ سخن کو نویدِ فصلِ بہار
نسیمؔ حبسِ تخیل میں بادِ خوش آثار
نسیمؔ کشتِ ہنر کو اک ابرِ گوہر بار
نسیمؔ فن کے گلستاں پہ شبنمی سی پھوار
نسیمؔ فکر کی بادِ صبا کو کہتے ہیں
دیارِ نظم کی ٹھنڈی ہوا کو کہتے ہیں

(۱۹)

اسی روایتِ مدحت کے تھے امیں وہ بھی
تھے جس کے بانی ابو طالبؑ آشنائے نبیؐ
وہ سب سے پہلا سخنور کہ جس نے نعت کہی
اسی سے رسمِ ثناء خوانی رسولؐ چلی
یہ ہر سو آج جو نعتِ نبیؐ کا جلوہ ہے
اسی معرّفِ پیغمبریؐ کا صدقہ ہے

(۲۰)

اسی کے قلب پہ قرآنِ نعت کا تھا نزول
اسی نے وضع کئے تھے محبتوں کے اصول
علیؑ و حمزہؓ و عباسؑ اسی کے باغ کے پھول
تھے کعبؔ و مالکؔ و حسانؔ اسی کے پاؤں کی دھول
تھا جن کو ربطِ دلی اس سخنورِ حق سے
وہ مدح گو بھی ہوئے دعبلؔ و فرزدقؔ سے

(۲۱)

اسید[۱] و ابنِ رواحہ[۲] و عرفی[۳] و قدسی[۴]
سنائی[۵] و ابوعزہ[۶] و نامق[۷] و سعدی[۸]
اصید[۹] و محتشم[۱۰] و انوری[۱۱] و بوصیری[۱۲]
ابو[۱۳] ہلال و ظہوری[۱۴] و مقبل[۱۵] و جامی[۱۶]
عرب فصیح، عجم صاحبِ کلام ہوئے
نبیؐ کی مدح سے اس فن کے سب امام ہوئے

(۲۲)

ہوئے یہاں بھی انیس[۱] و دبیر[۲] سے ماہر[۳]
امیر[۴] و محسن[۵] و حالی[۶] و غالب[۷] و فاخر[۸]
رضا[۹] و جوش[۱۰] و نسیم[۱۱] و مصور[۱۲] و ذاخر[۱۳]
جناب فضل[۱۴] سے ہیں آج بھی یہاں شاعر[۱۵]
سبھی کے نام تو کوئی گنا نہیں سکتا
یہ ایک بحر ہے کوزہ میں آ نہیں سکتا

(۲۳)

دعا ہے تجھ سے مری اے خدائے فکر و نظر
کرم کی ایک نظر مجھ سے بے ہنر پہ بھی کر
ہوئے ہیں جتنے ثناء گسترانِ پیغمبرؐ
عطا ہو مجھ کو انہیں کا کمالِ علم و ہنر
انہیں کے بادۂ فن کا سرور دے مجھ کو
انہیں کی فکر انہیں کا شعور دے مجھ کو

(۲۴)

زباں پہ حمد ہو تیری، ترے نبیؐ کی ثنا
کبھی ہو نعتِ محمدؐ کبھی علیؑ کی ثنا
بتولؑ پاک و حسینؑ و حسنؑ، سبھی کی ثنا
کسی کی مدح، کسی کی صفت، کسی کی ثنا
سحر ہو حمد میں، مدحت میں شام ہو جائے
اسی میں عمر کی مدّت تمام ہو جائے

(۲۵)

خدا قبول کرے یہ دعا بہ لطفِ تمام
رہیں زبان و قلم صَرفِ حمد و مدح مدام
نبیؐ و آلِ نبیؐ کی ثنا سے ہو مجھے کام
مگر عمل کی بھی توفیق دے خدائے انام
عمل سے زیست کی راہوں میں روشنی بھی کروں
فقط ثنا نہ کروں، ان کی پیروی بھی کروں

(۲۶)

مرے عمل کے تناظر میں دیکھیں اہلِ یقیں
فروغِ سیرتِ سلمانؓ و بوذرِؓ حق بیں
مجھے بھی لوگ کہیں عابد و خلیق و امیں
ہو زندگی بھی خوش آثار، موت بھی ہو حسیں
جیئوں تو قنبرؓ شاہِ حنینؑ کی صورت
مروں تو جونؓ و حبیبِ حسینؑ کی صورت

(۲۷)

ہے مدحِ آلِؑ محمدؐ وہ منزلِ اعلیٰ
چراغ جس میں جلاتی ہے خود کتابِ خدا
ہمہ ثنا کا رہِ منقبت میں ذکر ہی کیا
خدا تو خود ہے ثناء خوانِ سیدِ بطحا
جو ہم نے مدحِ محمدؐ بساط بھر کی ہے
ولا کا بھی ہے تقاضہ، خدا کا حکم بھی ہے

(۲۸)

یہ حکم ''صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا'' سے ملا
سدا سے ہے یہی قرآن کی زباں پہ صدا
اسی سے حق نے بتایا ہے مرتبہ ان کا
بہارِ گلشنِ قرآں ہے حرفِ صل علیٰ
قدم جو منزلِ مدحت کی سمت بڑھتے ہیں
قدم قدم پہ فرشتے درود پڑھتے ہیں

(۲۹)

نبیؐ و آلِ نبیؐ کی ہو منقبت پیہم
ثنائے ختمِ رسلؐ کا ہو ذوق و شوق نہ کم
ہوا ہو لاکھ مخالف، جمے رہیں یہ قدم
تھکے نہ فکر، قلم کا اکھڑنے پائے نہ دم
ہنر مدیحِ رسالت سے ارجمند رہے
ثنائے آلؑ کا پرچم سدا بلند رہے

(۳۰)

ہے شاعری ہی نہیں مدحِ مصطفیؐ کے لئے
کوئی بھی رنگ ہو اظہارِ مدعا کے لئے
مگر کچھ اس پہ بھی تو غور ہو خدا کے لئے
کہ پیروی بھی ہے شرط آپ کی ثناء کے لئے
جہاں سے ہم نے ثنا کا وجوب پایا ہے
وہیں تو حکم ''اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' آیا ہے

(۳۱)

بغیرِ پیروی و طاعتِ رسولِؐ خدا
فقط زباں سے ثنا ہو تو فائدہ ہی کیا
ہے شرطِ اولِ مدحت رسولِؐ حق کی ولا
وِلا یہ ہے، جو انہوں نے کہا وہ ہم نے کیا
خودی کا عشق میں احساس، عشق کی رد ہے
وِلا تو عشقِ حقیقی کی آخری حد ہے

(۳۲)

ہے عشق کا یہ تقاضہ خودی کی نفی کرے
بھلا دے نفس کو، خود اپنے آپ کو تج دے
جہاں پہ عشقِ مجازی ہو حسنِ ظاہر سے
وہاں بھی دیکھئے یہ معجزے محبت کے
بوقتِ دید حجاباتِ ماومن ہٹ جائیں
خبر بھی ہو نہ دلوں کو اور انگلیاں کٹ جائیں

(۳۳)

جفا سے خوف ہے تہذیبِ عشق میں معیوب
ہزار جور و ستم اس کی راہ میں مرغوب
ہوں دست و پا بھی اگر قطع، جسم ہو مصلوب
زباں پہ جاری رہے پھر بھی مدحتِ محبوب
ثنا جو ایسے سرِدار ہو تو بات بھی ہے
یہ عشقِ میثمِ تمارؒ ہو تو بات بھی ہے

(۳۴)

ہو چشم و ابروئے محبوب کا اشارہ اگر
جھکا دے اس کی رضا پر خوشی سے اپنا سر
جوان لعل کا رکھ دے گلا تہہِ خنجر
مِنائے عشق میں قرباں کرے خود اپنا پسر
جو امتحاں میں سرِ بزم ہست و بود پڑے
بھڑکتی آگ میں بھی بے دریغ کود پڑے

(۳۵)

اگر نہیں تھی ضروری اطاعتِ رہبر
تو کیوں پھر آئے جہاں میں ولی و پیغمبرؐ
خدا تو قادرِ مطلق ہے، چاہتا وہ اگر
یہ انتظام بہت تھا برائے نوعِ بشر
وہی جو کلِ ہدایت قرار دی جاتیں
چھپی چھپائی کتابیں اتار دی جاتیں

(۳۶)

خدا نے جو یہ نبیؐ و ولی یہاں بھیجے
وہ اس لئے کہ بشر ان کی پیروی بھی کرے
وگر نہ کتنے ہیں کافر جو نعت گو بھی ہوئے
ثناء تو ان کی منافق بھی خوب کرتے تھے
اگر ثنا ہی ولا کا ثبوتِ وافی ہے
تو پھر اب آپ بھی کہئے، کتاب کافی ہے

(۳۷)

ہے پیروی کا محبت میں ایک ہی معیار
نظر کے سامنے محبوب کا رہے کردار
نہ اپنی ذات سے مطلب نہ غیر سے سروکار
ہو جو بھی حسن کا شیوہ، ہو عشق کا وہ شعار
کلام وہ ہو کہ جس میں اسے کلام نہ ہو
خلافِ مرضیِ محبوب کوئی کام نہ ہو

(۳۸)

ہے پیروی کا یہ معیار جن کے پیشِ نظر
بتائیں، کیا ہے تقاضائے عشقِ پیغمبرؐ
ہو قول و فعل میں یوں پیرویِ خیرِ بشرؐ
زباں پہ آئے کسی طور بھی اگر نہ مگر
اگر ہو قول کی سچائی کا یقیں ہم کو
اگر مگر کا تو پھر کوئی حق نہیں ہم کو

(۳۹)

کہیں کہ ایک خدا ہے تو ایک ہی ہے خدا
کہیں کہ عدل ہے اس کی صفت، درست بجا
کہیں کہ میں ہوں خدا کا نبیؐ تو صلِ علیٰ
کہیں کہ میرے وصی ہیں علیؑ تو شک کیسا
نبیؐ کے صدق ''پہ والنجم'' کی شہادت ہے
جو ان کے قول میں شک ہو تو پھر قیامت ہے

(۴۰)

رسولِؐ حق سببِ خلقتِ دو عالم تھے
جہانِ ظلم میں اک رحمتِ مجسم تھے
ہر آدمی کے لئے زخمِ دل کا مرہم تھے
کرم کا بحر تھے، لطف و عطا کا زمزم تھے
ستمگروں کو تحمل کی حد دکھاتے تھے
وہ ظلم کرتے تھے ان پر، یہ مسکراتے تھے

(۴۱)

ہوئے تھے ظلم میں کچھ اہلِ ظلم یوں بے باک
طرح طرح سے ستاتے تھے آپ کو سفاک
کبھی بچھاتے تھے رستے میں خارِ وحشت ناک
کبھی گراتے تھے آلائش و خس و خاشاک
یہ زیر کرتے تھے یوں خلق سے شقاوت کو
وہ ظلم کرتے تھے، جاتے تھے یہ عیادت کو

(۴۲)

اگر کہیں کسی تاریخ میں یہ ملتا ہو
تو اس کتاب کا ہم کو بھی کچھ حوالہ دو
کہ اختلافِ مذاہب سے اے مسلمانو!
نبیؐ نے قتل کیا ہو کسی بھی انساں کو
صنم پرستوں پہ پتھر کبھی چلائے ہوں
کبھی یہود و نصاریٰ کے گھر جلائے ہوں

(۴۳)

چلائے جاتے تھے طائف میں آپ پر پتھر
ہیں سنگبار مسلماں خود اب مسلماں پر
بہ اختلافِ زبان و مکان و فکر و نظر
چلائے جاتے ہیں خنجر جلائے جاتے ہیں گھر
زبانی دعوۂ الفت کا سب فساد ہے یہ
کہاں حضورؐ کہاں تم، عجب تضاد ہے یہ

(۴۴)

اگر ہے واقعی عشقِ نبیؐ مسلمانو!
رسولؐ پاک کی سیرت پہ کچھ عمل تو کرو
کم از کم اتنا تو خلقِ نبیؐ کو اپناؤ
کسی بھی شخص کو تم سے کوئی گزند نہ ہو
تعصّبات میں عمریں اگر گنوانی ہیں
تو عشق وِشق کے دعوے فقط زبانی ہیں

(۴۵)

نبیؐ کی سیرت و کردار دیکھنا ہو اگر
علیؑ وآلِ نبیؐ کا عمل ہو پیشِ نظر
یہ تھے حضورؐ کے نقشِ قدم پہ محوِ سفر
اِن آئینوں میں چمکتا ہے ایک ہی جوہر
بہ پیرویِ محمدؐ، نبیؐ شعار ہیں یہ
کمالِ حسنِ اطاعت کا شاہ کار ہیں یہ

(۴۶)

علیؑ و آلِ نبیؐ کا کوئی جواب نہیں
وہ بے حساب فضائل کہ کچھ حساب نہیں
وہ ان میں کون ہیں جو ماہ و آفتاب نہیں
کروں میں وصف رقم ان کے، مجھ میں تاب نہیں
علوِ دستِ خدا دستگیر سے پوچھو
مقامِ آلؑ کو پیرانِ پیر سے پوچھو

(۴۷)

کیا ہے نعت میں پیرانِ پیر نے یہ[1] رقم
''کمینہ خادمِ خدام خاندانِ تو ام
زغیرِ آلِ نبیؐ حاجتے اگر طلبم
روا مدار یکے از ہزار حاجاتم''
عقیدت آلؑ سے ان کی بیانِ نعت میں ہے
جو دیکھنا ہو یہ نعت ''ارمغانِ[2] نعت'' میں ہے

(۴۸)

بس اب وہ ذکر چھڑے دل کہے شراب شراب
ہوں تشنہ لب تو دکھاتا ہے ہر سراب شراب
ملے جو ساقیٔ کوثر سے تو ہر آب شراب
ہٹالے پیرِ مغاں اپنی یہ خراب شراب
پیئوں گا میں نہ کسی سفلہ و رذیل کے ساتھ
چھنے گی آج مصلے پہ جبرئیل کے ساتھ

(۴۹)

یہ وہ شراب ہے صہبائے الفتِ حیدرؑ
لئے جو بیٹھا ہے رضوان بابِ جنت پر
کئے ہیں اس سے فرشتوں نے اپنے دامن تر
یہ مجھ سے کہتا ہے واعظ کہ اس سے توبہ کر!
مئے ولائے علیؑ سے عدو کرے توبہ
میں اس شراب سے توبہ کروں، ارے توبہ

(۵۰)

خدا کا شکر کہ ساقی کا مجھ پہ فیض ہے عام
نہ کیوں ہو، اس کے غلاموں کا ہوں اک ادنیٰ غلام
یہ وہ ہے جس نے دیا باوجودِ ظلمِ تمام
خود اپنے قاتلِ بے دیں کو شہد و شیر کا جام
اسی کرم پہ علیؑ کو عظیم کہتے ہیں
اسی کو خلقِ رسولِ کریمؐ کہتے ہیں

(۵۱)

اس ایک خلق پہ کب ختم ہیں علیؑ کے صفات
ہے معجزہ بہ لباسِ بشر علیؑ کی ذات
اک آئینہ ہے کہ جس میں بہ محویت دن رات
خود اپنے حسن کو بن بن کے دیکھتی ہے حیات
جو زیبِ تن وہ لباسِ بہار کرتی ہے
اسی کو دیکھ کے سولہ سنگار کرتی ہے

(۵۲)

علیؑ کے چاہنے والو، اس آئینے میں ذرا
خطا معاف، کبھی اپنے آپ کو دیکھا
کہیں ہے ہم میں بھی وہ بات، سچ کہو بخدا
کہ ہم کو مان لیں اغیار بھی غلام ان کا
عمل کو دیکھ کے ہر شہر، ہر گلی والے
پکار اٹھیں کہ یہی لوگ ہیں علیؑ والے

(۵۳)

ہے ان کی خلق و کرم، صبر و حلم سے عظمت
نہیں ہے ہم میں سے اکثر میں کوئی ایسی صفت
انہیں تھی علم سے ہم کو ہے مال سے رغبت
تھا وجہہ فخر انہیں فقر اور ہمیں دولت
علیؑ کے سامنے حاتم کی بھی ثنا نہ کریں
عمل کی بات ہو تو خمس بھی ادا نہ کریں

(۵۴)

بجا ہے یہ کہ تھی حاتم سے بڑھ کے ان کی سخا
تھا ان کا زاویۂ فکر بالکل اس سے جدا
وہ سو دروں سے، یہ اک در سے دیتے تھے اتنا
ہو بار بار نہ شرمندہ مانگنے والا
علیؑ کو اس کی جزا دے وہ ذاتِ پاک اللہ
یہ پاسِ عزتِ نفسِ بشر، جزاک اللہ

(۵۵)

رسولِ حق تھے امین اور علیؑ انہیں کی مثال
اس انتہا پہ انہیں تھا امانتوں کا خیال
جو آگیا کوئی وقتِ حساب بہرِ مقال
بجھا دیا بس انہوں نے چراغِ بیت المال
اندھیرا ہوتے ہی نورِ علیؑ دوبالا تھا
چراغِ عظمتِ کردار کا اجالا تھا

(۵۶)

یہی چراغِ ضیا بارِ سیرتِ علوی
بڑھا رہا ہے تجلی رہِ اطاعت کی
اسی چراغ سے لرزاں رہے گی تیرہ شبی
اسی چراغ سے ہر دل میں روشنی ہوگی
یہی چراغ تو انسانیت کو ضو دے گا
یہی چراغ تو ذہنِ بشر میں لو دے گا

(۵۷)

علیؑ کی زیست کا ایک ایک رخ ہے فکر انگیز
کبھی ہیں محوِ خطابت، کبھی ہیں محوِ ستیز
ہوں بزمِ علم میں تو حرف حرف عنبر بیز
ہوں رزمِ حق میں تو قوت علیؑ کی حیرت خیز
اٹھائیں ڈھال کی صورت، بچھائیں پل کی طرح
یہ توڑ کر درِ خیبر کو برگِ گل کی طرح

(۵۸)

کبھی علیؑ نے طلب کی نہ دولتِ دنیا
نہیں یہ ذکر فقط قبلِ اقتدار ہی کا
خود ان کے عہدِ حکومت میں بھی قسم بخدا
سوائے شکر و قناعت کے گھر میں کچھ بھی نہ تھا
بوقتِ اشتہا، دل کی کلی کھلی نہ کھلی
وہ جو کی نان، کہ وہ بھی ملی ملی نہ ملی

(۵۹)

علیؑ وہ فخرِ سلیمانؑ، وہ یوسفِؑ ثانی
بصد کمالِ مشقت، بخندہ پیشانی
جو دے رہا ہے یہودی کے باغ کو پانی
اسی سے عظمتِ محنت جہاں نے پہچانی
خدا کا لطف جو محنت کشوں پہ عام ہوا
تو ایک باغ کا مزدور بھی امامؑ ہوا

(۶۰)

کسی نے خلق کا حاجت روا کہا ان کو
کسی نے ساقئ روزِ جزا کہا ان کو
رسولِؐ پاک نے شیرِ خدا کہا ان کو
لسانِ غیب نے خود لافتیٰ کہا ان کو
جو بے خرد تھے وہ حد سے سوا سمجھ بیٹھے
بہک گئے تو نصیری خدا سمجھ بیٹھے

(۶۱)

علیؑ نے کی ہیں خدا کی عبادتیں کیسے
یہ راز اہل جہاں آج تک نہیں سمجھے
انہیں خبر بھی نہ ہو اور تیر کھنچ آئے
ہمارے پاؤں سے تو پھانس بھی نکل نہ سکے
یہ حق سے ڈوب کے راز و نیاز، کیا کہنا
نماز اور علیؑ کی نماز، کیا کہنا

(۶۲)

ہو پیروی سے بھی مشروط گر ثنائے علیؑ
نہ حرص زر ہو نہ ذوقِ سیاستِ اموی
نہ ترکِ فرض، نہ غصبِ حقوقِ انسانی
ضمیر کی ہو تجارت نہ دین و ایماں کی
عمل کا ذوق جو اپنی سرشت ہو جائے
ہمارے حق میں یہ دنیا بہشت ہو جائے

(۶۳)

علیؑ کی طرح جنابِ بتولؑ کی سیرت
ملی ہے جس سے خواتینِ دہر کو عظمت
وہ دورِ پستئ نسواں وہ آپؑ کی رفعت
کہ خود رسولؐ بھی تعظیم میں کریں سبقت
یہ عظمتیں جنہیں جھک کر سلام کرتی ہیں
وہ اپنے ہاتھ سے کل گھر کا کام کرتی ہیں

(۶۴)

خیال باپ کا، شوہر کی خدمت و طاعت
پھر اپنے بچوں کی بھی پرورش بصد شفقت
خدا کی بندگی، چکی کی مستقل محنت
اسی کے ساتھ خود اپنی کنیز کی خدمت
عجب نظامِ خوش اوقات دے گئیں زہراؑ
عمل سے درسِ مساوات دے گئیں زہراؑ

(۶۵)

جنابِ فاطمہؑ کا چشمِ غیر سے وہ حجاب
ہے قدر و قیمت نسواں کی اک دلیل، جناب
یہ قاعدہ ہے کہ رکھتے ہیں اہلِ فہم احباب
نگاہِ دزد سے پوشیدہ گوہرِ نایاب
ہر اک کی نیتِ بد سے بچا کے رکھتے ہیں
ہر ایک قیمتی شے کو چھپا کے رکھتے ہیں

(۶۶)

کسی نے دیکھی نہ تھی فاطمہؑ کی پرچھائیں
خود آج پردہ سے سیدانیاں بھی گھبرائیں
ادائیں جو نئی تہذیب کی انہیں بھائیں
ہماری بیٹیاں سڑکوں پہ بے حجاب آئیں
بتولؑ ہوں گی ملول ایسی ناصوابی سے
اب اپنی آلؑ کے اس شوقِ بے حجابی سے

(۶۷)

ورائے فہم ہے زہراؑ کی عظمتِ کردار
وہ عزم و نظم جو کلثومؑ کا دلِ بیدار
وہ حق نوائی جو زینبؑ کی جراٴتِ اظہار
وہ خلق و حلم جو پیغمبرؐ و حسنؑ کا شعار
وہ صبر جو دلِ فطرت کا چین ہو جائے
ڈھلے جو پیکرِ جاں میں حسینؑ ہو جائے

(۶۸)

حسنؑ کی سیرتِ عالی، حسینؑ کا کردار
بحسبِ مصلحتِ وقت، صلح اور پیکار
وہ عینِ خلقِ نبیؐ، یہ جلالتِ کرار
وہ ایک پھولوں کی ڈالی، یہ تیغِ جوہر دار
حسنؑ تھے صلح کی منزل میں مصطفیٰؐ کی طرح
حسینؑ رزم گہہِ حق میں مرتضیٰؑ کی طرح

(۶۹)

حسینؑ کی تو شجاعت ہوئی جہاں پہ جلی
ملوکیت نے بھی جس سے پناہ مانگی تھی
بہ حسبِ مصلحتِ دیں حسنؑ نے صلح جو کی
کھلا نہ دہر پہ رنگِ شجاعتِ حسنیؑ
یہ رنگ قاسمؑ گلگوں قبا میں دیکھیں گے
شجاعتِ حسنی کربلا میں دیکھیں گے

(۷۰)

نگاہ میں ہے مری حسنِ قاسمؑ ابنِ حسنؑ
گلِ حدیقۂ سبطِ رسولؐ، جانِ چمن
ہےان کے باب میں ''لَمۡ یَبۡلُغَ الۡحُلُمۡ'' کا سخن
تھا یعنی دور ابھی حدِ بلوغ سے بچپن
تھے کوئی تیرہ برس کے، ابھی جوان نہ تھے
یہ شاخِ گل تھے، کڑکتی ہوئی کمان نہ تھے

(۷۱)

یہی وہ دن تھے کہ جب کربلا ہوئی آباد
وہ فوجِ حق کے سپاہی، وہ ان کا جوشِ جہاد
وہ شوقِ مرگ جو تاریخ کو ہے اب تک یاد
وہ اپنے قتل کے محضر پہ ایک ایک کا صاد
وغا کے باب میں چھوٹے بڑے میں فرق نہ تھا
شجاعتوں کے سمندر میں کون غرق نہ تھا

(۷۲)

ہوئی قیامتِ عاشور کی سحر جو عیاں
چھڑی وہ جنگ، ہوئی بند راہِ امن و اماں
نیام تیغوں نے چھوڑی تو ناوکوں نے کماں
وہ غل اٹھا کہ لرزنے لگے زمین و زماں
خدا کے عشق میں حق کے نقیب قتل ہوئے
زہیرؑ و مسلمؑ و جونؑ و حبیبؑ قتل ہوئے

(۷۳)

یقیں یہی ہے کہ حسبِ روایتِ طبری
شہید ہو گئے جب یاورانِ سبطِ نبیؐ
تو سب سے پہلا فدائے حسینؑ ابنِ علیؑ
انہیں کا لعل تھا اکبرؑ سا نوجوان و جری
غضب ہے ظلم کا نیزہ جو دل کے پار ہوا
شبیہِ ختمِ رُسلؐ باپ پر نثار ہوا

(۷۴)

وہ قاسمؑ ابنِ حسنؑ اپنی زندگی سے جو سیر
بضد تھا جنگ کو آغازِ جنگ سے یہ دلیر
سحر سے جوشِ شجاعت میں جھومتا تھا یہ شیر
کہیں عروسِ شہادت کی دید میں نہ ہو دیر
رضا نہ ان کو شہِ مشرقینؑ دیتے تھے
کسی طرح نہ اجازت حسینؑ دیتے تھے

(۷۵)

حسینؑ کیسے بھتیجے کو دیتے رن کی رضا
امانت ان کو سمجھتے تھے بھائی کی مولاؑ
تھا یہ خیال بھی، ماں ان کی آپ ہیں بیوہ
پھر اس پہ یہ کہ تھے کم سن، جہاد فرض نہ تھا
کم ان کا قد بھی تھا، کم اس قدر تھی عمران کی
زرہ بھی ملتی نہ تھی ان کے قامت وسن کی

(۷۶)

بہت مصر ہیں جو مرنے پہ قاسمؑ مضطر
سوال کرتے ہیں ان سے حسینؑ خستہ جگر
ہے موت کیسی تمہاری نگاہ میں دلبر
جواب دیتے ہیں ''اَحلیٰ مِنَ الْعَسَل'' کہہ کر
عجب حلاوتِ ایماں اساس موت میں ہے
کہ شہد سے بھی زیادہ مٹھاس موت میں ہے

(۷۷)

جواب جب دیا قاسمؑ نے یوں دلیرانہ
چھلک رہا ہو شجاعت کا جیسے پیمانہ
خوشی سے جھوم اٹھے سب، شمع ہو کہ پروانہ
خدا کی حمد سے گونج اٹھا سب وہ کاشانہ
چہار سمت سے ''احسنت'' بالعموم ہوئی
شجاعتِ حسنؑ مجتبیٰؑ کی دھوم ہوئی

(۷۸)

ملی نہ پھر بھی رضا جب تو قاسمؑ ناشاد
ہوئے پدر سے تصور میں مائلِ فریاد
یکایک آگیا تعویذ ہاتھ کا انہیں یاد
پڑھا جو کھول کے، بر آئی ان کے دل کی مراد
خوشی خوشی بحضور شہِؑ انام آئے
گئے تھے بادلِ مغموم، شاد کام آئے

(۷۹)

حسینؑ چپ ہوئے دیکھی جو بھائی کی تحریر
گلے لگا کے بھتیجے کو، رو دیئے شبیرؑ
کہا کہ، خیر، جواب مرضیٔ خدائے قدیر
مجھے بھی ایک وصیت تھی ان کی وقتِ اخیر
کیا تھا بھائی سے وعدہ، نباہ دوں تم سے
میں اپنی لاڈلی کبریٰؑ کو بیاہ دوں تم سے

(۸۰)

بجا ہے گھر میں بپا آج اک قیامت ہے
نبیؐ کی آلؑ پہ بے انتہا مصیبت ہے
ہر اک کے پیش نظر خنجرِ شقاوت ہے
حسنؑ کا لعل تو خود عازم شہادت ہے
ہزار زخم کلیجے پہ کھا چکے ہیں حسینؑ
سحر سے کتنے ہی لاشے اٹھا چکے ہیں حسینؑ

(۸۱)

مصائب اتنے شدید اور وقت اتنا کٹھن
نہیں ہے کوئی بھی اک لمحہ زیست کا ضامن
پھر اس پہ یہ کہ یہ کم سن، دلہن بہت کم سن
نہیں ہیں ظاہری اسباب سے یہ بیاہ کے دن
نظر امامؑ کی لیکن ہے اس حقیقت پر
عمل ہے شرع میں واجب ہر اک وصیت پر

(۸۲)

رسومِ دہر کو جو دیکھنے کے ہیں عادی
ہیں معترض کہ وہ عاشور اور یہ شادی!
حضور، کس کو تھی منظور خانہ آبادی
یہ ایک شادی تو ہے دو گھروں کی بربادی
مصیبتوں کا نیا رخ دکھا رہے تھے حسینؑ
کچھ اور عظمتِ غم کو بڑھا رہے تھے حسینؑ

(۸۳)

تھے معترض کی نظر میں جو طور شادی کے
انہیں نبیؐ کے گھرانے کی رسم کیوں سمجھے
کہاں یہ دھوم دھڑکے، یہ رقص، یہ نغمے
ادائے فرض کہاں وہ رضائے حق کے لئے
یہ عقد کرتا ہے خود شاہِؑ انس و جن کو سلام
جو بے ہراس تھا، اس نفسِ مطمئن کو سلام

(۸۴)

کہاں وہ کرب و بلا اور وہ دردِ بے وطنی
خزاں نصیب وہ غنچے حسینؑ و حسنؑ
غموں کی دھوپ سے شعلہ بجاں وہ گل بدنی
وہاں خوشی کا تصور بھی وجہ سینہ زنی
عجیب رنگ کی شادی، عجیب بیاہ ہوا
دلہن اجڑ گئی، دولہا کا گھر تباہ ہوا

(۸۵)

عجیب طرح کی شادی یہ کربلا میں ہوئی
بنے کے سہرے کی لڑیاں تھیں آنسوؤں سے گندھی
بدن پہ زخموں کے پھولوں کی خونچکاں بدّھی
تھا سر پہ بہنوں کا آنچل کہ خاک مقتل کی
دلہن تو حجلۂ فریاد اشک و آہ میں تھی
شبِ عروسیِ نوشاہ قتل گاہ میں تھی

(۸۶)

غلط ہے یہ بھی کہ اک شب کی تھیں دلہن کبریٰ
اسی کو کہتے ہیں بے احتیاطی شعراء
وہ وقتِ عصر سے کچھ قبل عقد دونوں کا
دلہن کا منھ بھی تو نوشاہ دیکھ تک نہ سکا
ادھر عروس کو خود عقد میں قبول کیا
ادھر اسے غمِ فرقت سے دل ملول کیا

(۸۷)

یہ عقد ہوتے ہی مرنے پہ ہو گئے تیار
دلہن کے ہاتھ سے دامن چھڑا لیا اک بار
بلائیں لے کے کیا ماں نے اپنے لعل کو پیار
سجائے جسم پہ دولہا کے جنگ کے ہتھیار
کھلا جو زیست کا عقدہ کسی گرہ کی طرح
کفن لپیٹ دیا جسم سے زرہ کی طرح

(۸۸)

چلے جو خیمہ سے باہر تو مچ گیا کہرام
سروں کو پیٹتے تھے اپنے، اہل بیتؑ تمام
نظر میں دختر و داماد کا تھا جو انجام
لپٹ لپٹ کے بہت ان سے روئے شاہِ انامؑ
ہزار ضبط کیا، ماں مگر سنبھل نہ سکی
دلہن کے منھ سے تو اک آہ بھی نکل نہ سکی

(۸۹)

تھا موجزن دلِ نوشاہ میں جو شوقِ ستیز
سوار ہوتے ہی مرکب کو کر دیا مہمیز
تھا اس کو سست روی سے جو سر بسر پرہیز
چلا وہ جانبِ دشتِ وغا ہوا سے بھی تیز
چمک کے چھا گیا میداں میں سنسنی کی طرح
در آیا شام کے لشکر میں روشنی کی طرح

(۹۰)

پہنچ کے رن میں کھڑے ہو گئے جما کے قدم
صدا یہ دی کہ خبردار ہو، اب آئے ہم
ہمارے سن پہ نا جانا، نہ جاننا اسے کم
کہ ہم ہیں بیشۂ شیرِ اللہ کے ضیغم
مقابل آئے تو ازرق کی جان ہم لیں گے
جو چار آئے تو چورنگ کر کے دم لیں گے

(۹۱)

گئی جو گونج یہ تا گوشِ ازرقِ شامی
لرز کے رہ گیا، کی فکر جاں بچانے کی
تھا خود غرض جو بلا کا تو اس کو یہ سوجھی
کہا کہ بچے سے اور میں لڑوں، یہ خوب کہی
شقی نے جھونک کے منھ میں قضا کے، بیٹوں کو
خود اپنی جان بچائی، گنوا کے بیٹوں کو

(۹۲)

نظر کے سامنے مارے گئے جو چار پسر
کلیجہ پھٹ گیا، ٹکڑے ہوا شقی کا جگر
رہی نہ اب کوئی اس کے لئے جو راہِ مفر
کمالِ غیظ میں بل کھا کے خود اٹھا خود سر
گذر کے دشت تکبر سے بے مہار آیا
صدا یہ موت نے دی، لو مرا شکار آیا

(۹۳)

جب آکے قاسمؑ مضطر کے سامنے وہ رکا
اٹھا کے آپ نے سر، اس پہاڑ کو دیکھا
وہ ایک دیو کی قامت، قد ان کا بوٹا سا
وہ پیلِ مست، یہ اک بچۂ اسد بخدا
ادھر یہ شیر بڑھا دیو سے وغا کے لئے
اٹھائے ہاتھ ادھر ماں نے بھی دعا کے لئے

(۹۴)

وہ آکے طیش میں آتے ہی وار کرنے لگا
ہر ایک وار کیا رد، پھر آپ نے یہ کہا
ہمیں بھی دیکھ کہ تیرا ہنر تو دیکھ لیا
یہ فوجِ ظلم بھی دیکھے گی آج حشر ترا
کہیں شغال بھی شیروں سے بچ کے جاتے ہیں
بھلا زبر سے کہیں زیر پیش پاتے ہیں

(۹۵)

خجل بہت تھا جو اپنی شکستِ پیہم پر
وغا کو پھر وہ بڑھا، ہوش اڑ چکے تھے مگر
کھڑے ہوئے یہ رکابوں پہ زور دے کے ادھر
لگایا نیچے کا ہاتھ، یا علیؑ کہہ کر
بس ایک وار میں خود و سپر کو چاک کیا
بس ایک ہاتھ میں قصہ نجس کا پاک کیا

(۹۶)

ادھر زمین پہ گھوڑے کی پشت سے وہ گرا
ادھر سپاہ میں اک مرحبا کا شور ہوا
خوشی سے جھوم اٹھے عباسؑ کہہ کے صلِ علیٰ
حسینؑ جھک گئے سجدے میں بہرِ شکرِ خدا
حسنؑ کی خلد سے آئی صدا، مبارک ہو
سہیلیوں نے دلہن سے کہا، مبارک ہو

(۹۷)

بس اس کے بعد جو آیا نہ کوئی بہرِ نبرد
کہا کہ مر گئے کیا فوجِ کیں کے سارے مرد
کہاں وہ گرمیٔ جنگ اور کہاں یہ میداں سرد
ہمارے خوف سے سب روسیاہ ہو گئے زرد
بڑھیں، لڑیں جو بہت شیخیاں جتاتے ہیں
جو اب بھی تم نہیں آتے تو لو، ہم آتے ہیں

(۹۸)

یہ کہہ کے ایڑ جو گھوڑے کو دی بلا تاخیر
اڑا وہ سن سے کہ نکلا کڑی کمان سے تیر
نگاہ اس پہ تو کوئی جما سکا نہ شریر
نظر میں کھنچ گئی بس ایک روشنی کی لکیر
اڑا جو سن سے تو سن سن چلا ہوا کی طرح
صفوں پہ ٹوٹ پڑا قہرِ کبریا کی طرح

(۹۹)

کھنچا وہ نیچۂ آب دار و جوہردار
مقابل اس کے بڑی سے بڑی نہ تھی تلوار
لچک میں ڈال، تو چلنے میں تیر، قد میں کٹار
صفات کی نہ کوئی حد، نہ جو ہروں کا شمار
معاملہ جو عدو سے دمِ مصاف کیا
بڑی صفائی سے ہر صف پہ ہاتھ صاف کیا

(۱۰۰)

وہ تھی تو چھوٹی سی تلوار، تھی بڑی ناگن
چلی تو چال سے ہر دل کی بڑھ گئی دھڑکن
مزاج میں تھی بڑی ہٹ، بلا کی تھی ضدن
یہ اس کی عمر تھی یا ذوالفقار کا بچپن
جو ضد پہ آئی تو لشکر کھنگال کر چھوڑا
مچل گئی تو کلیجہ نکال کر چھوڑا

(۱۰۱)

چلی جو سر سے سراسر یہ سر اڑا کے پھری
دمِ مصاف صفوں پر صفیں گرا کے پھری
پھری جو اہلِ دغا پر یہ مسکرا کے پھری
ہر اک چراغِ ضلالت کو یہ بجھا کے پھری
سپاہِ شام کا اس سے دماغ جلتا ہے
ہوا کے سامنے کس کا چراغ جلتا ہے

(۱۰۲)

کہاں وہ ایک طرف لاکھ دشمنانِ خدا
کہاں یہ لختِ دلِ مجتبیٰؑ، تنِ تنہا
وہ رن کہ دھوپ کی شدت سے آگ کا دریا
وہ زخم زخم بدن اور وہ پیاس کا غلبہ
حسنؑ کی شان سے جم کر بہت لڑے قاسمؑ
لہو میں ڈوب گئے جب تو گر پڑے قاسمؑ

(۱۰۳)

فرس سے گرتے ہی شاہِ ہدیٰؑ کو دی یہ صدا
مدد کو آیئے دشتِ وغا میں جلد، چچا
زہے نصیب کہ ہونے کو ہے غلام فدا
خدا کا شکر کہ اماں سے سرخرو میں ہوا
حضورؑ، خلد سے بابا یہاں ہیں آئے ہوئے
زمیں پہ بیٹھے ہیں مجھ کو گلے لگائے ہوئے

(۱۰۴)

بس اتنا سنتے ہی گھبرا گئے امامِؑ ہدا
تڑپ کے اٹھے، بہ تعجیلِ رن کا قصد کیا
نظر کے سامنے قاتل جو تھا بھتیجے کا
کمالِ غیظ میں اس نحس پر کیا حملہ
ادھر حسینؑ نے کاٹا شقی کے شانے کو
بڑھی سپاہ ادھر سے اسے بچانے کو

(۱۰۵)

ادھر سے گھوڑوں کو دوڑا کے آئے اہلِ جفا
ادھر حسینؑ نے حملہ کیا تو منھ پھیرا
ادھر سے اسپ ادھر جو گئے غضب یہ ہوا
زمیں پہ بیچ میں قاسمؑ تھے آہ وا ویلا
ستم ہے گھوڑوں کے سم سب لہو سے لال ہوئے
ابھی تو سانس تھی باقی کہ پائمال ہوئے

(۱۰۶)

یہ حال سن کے تڑپ کر پکار اٹھی یہ ماں
الٰہی! حد بھی کوئی ظلم و جور کی ہے یہاں
کہاں یہ میرا کلیجہ، کہاں سم اسپاں
کہاں یہ گھوڑوں کی ٹاپیں، مرا یہ پھول کہاں
عجیب ظلم سے اس دلفگار کو مارا
کچل کچل کے مرے گلعذار کو مارا

(۱۰۷)

یہ ظلم قاسمؑ نوشاہ پر کمال ہوا
عروسِ مرگ سے یوں بھی کبھی وصال ہوا
حسین کا یہ شہادت کے بعد حال ہوا
یہ جیتے جی سم اسپاں سے پائمال ہوا
ستم سہا یہ سوا شاہِ مشرقینؑ سے بھی
اس امتحان میں یہ بڑھ گئے حسینؑ سے بھی

(۱۰۸)

یہ کم سنی یہ شہادت جہاں نے جب دیکھی
ہر اک پہ ہو گئی ظاہر شجاعتِ حسنیؑ
پدر کی پیروی مرنے میں بھی کچھ ایسے کی
تھا باپ بیٹے کا حال ایک جب قضا آئی
وہاں حسنؑ کا دلِ لخت لخت طشت میں تھا
یہاں پسر کا تنِ پاش پاش دشت میں تھا

(۱۰۹)

وہ بعد عصر ڈھلا خوں میں تر بتر سورج
یہاں طلوع تھا نیزے پہ اک دگر سورج
وہ لا رہا ہے شبِ غم گزار کر سورج
اک اور درد میں ڈوبی ہوئی سحر سورج
ستم زدوں پہ ستم اور ڈھائے جاتے ہیں
اسیر گنجِ شہیداں میں لائے جاتے ہیں

(۱۱۰)

جدھر تھا لاشۂ نوشہ ادھر سے آئی دلہن
عجیب حال میں آیا نظر وہ جان چمن
زمیں پہ بکھرا تھا دولہا کا پاش پاش بدن
کہاں کا خلعتِ شادی، نصیب تھا نہ کفن
پکاری چیخ کے ماں، میرے گلبدن قاسمؑ
اٹھو کہ لاش پہ آئی ہے اب دلہن، قاسمؑ

(۱۱۱)

ہزار ضبط دلہن نے کیا مگر پھر بھی
کلیجہ پھٹ گیا غم سے، جگر میں ٹیس اٹھی
زبانِ حال سے بولی کہ یہ وفا کیسی
مجھے جو آپ نے چھوڑا، مری خطا کیا تھی
عروسِ مرگ کو ہیں کیوں گلے لگائے ہوئے
ابھی تو آپؑ تھے میرے، ابھی پرائے ہوئے

(۱۱۲)

وفا نہ آپؑ نے کی پھر بھی کبریا کی قسم
مری وفا پہ نہ حرف آئے گا، وفا کی قسم
کفن نہیں تو کریں کچھ نہ غم خدا کی قسم
جو چھن گئی مرے سر سے اسی ردا کی قسم
میں آنسوؤں میں یہ پیکر چھپا کے رکھوں گی
میں دل کو آپ کی تربت بنا کے رکھوں گی

(۱۱۳)

صدا یہ آئی کہ بس الوداع بنتِ امامؑ
حسینؑ کے جو ہیں مداح ان کو دو یہ پیام
اگر مدد کو پکارے کبھی انہیں اسلام
بہ پیرویِ شہیدانِ کربلا وہ تمام
خدا کے دیں کی حفاظت کو مال و زر دے دیں
عروس زیست سے دامن چھڑا کے سر دے دیں

(۱۱۴)

دلہن کے لب پہ تھی ساحرؔ فغاں، خدا حافظ
شہیدِ خنجر و تیغ و سناں، خدا حافظ
اسیر ہو کے چلا کا رواں، خدا حافظ
بس اب یہ آپ کہاں، ہم کہاں خدا حافظ
حضور دیکھ تو لیں اٹھ کے حالتِ کبریٰ
گذری رہی ہے جو ہم پر قیامتِ کبریٰ

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۵ پر-----------------)

والا مانا جائے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود اہل کتاب اپنی ہی الہامی کتاب۔ پھر ایک پیشین گوئی کی عبارت میں جس کے وقوع کے زمانے یا کفارہ دینے والی شخصیت تک کا علم نہ ہو۔ کیوں اور کس غرض سے تحریف کر سکتے ہیں۔ ہر موقع خصوصاً ایسے موقع پر تحریف کی آڑ پکڑنا سوائے ناانصافی اور ہٹ دھرمی کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ صرف ایسے ہی آیات متشابہات یا پیشین گوئیاں وغیرہ تو بوجہ اپنے مجہول المفہوم یا لا معلوم المصداق ہونے کے ہر قسم کی تحریف سے (خواہ وہ ارادی ہو یا سہو کاتب) بچ سکتی ہے پھر اسی قسم وحی کی بابت اس قسم کا اعتراض یا شبہ کرنا۔ اگر ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔ اب بطور فرض محال مان لیجئے کہ لفظ کفارہ اس آیت میں محرف ہے تو اس کا نتیجہ۔۔۔ بات جہاں تھی اب بھی وہیں رہتی ہے یعنی پیشین گوئی کا مصداق پھر یہی واقعہ کربلا ہی رہتا ہے۔ اس لئے کہ پیشین گوئی بہ تعین تاریخ دہم محرم کی گئی ہے اور اسی تاریخ میں شہادت واقع بھی ہوئی۔ اسی طرح یادگار غم یا مظاہرہ غم کا جواز بھی بعینہ اپنے حال پر باقی رہتا ہے پھر محرف کہنے یا ماننے کا نتیجہ میری رائے میں معترض مسلمان اور عیسائی دونوں جماعتوں کا عقیدہ اس مسئلہ میں ایک ہی ہے اور آیات زیر تبصرہ بھی قطعاً ہر قسم کی تحریف سے پاک و محفوظ ہیں۔ فرق صرف سمجھ اور نقطۂ نظر کا ہے مگر یہ بحث بہت طوالت چاہتی ہے اور بات پھر بھی جہاں تھی وہیں رہتی ہے لہٰذا کسی مزید بحث و تبصرہ کی ضرورت نہ سمجھ کر اس دعا پر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

بارِ الٰہا ہم سب کو توفیق عطا فرما کہ وطنی، ملکی، قومی، نسلی، ملی، مذہبی غرض جملہ تعصّبات اور خودی سے اپنے دلوں کو پاک کر کے سب کے سب اس محسن بنی نوع انسان اور تیرے شہید رضا یعنی حسینؑ کی قربانی کی یادگار باہم مجتمع و مشترک ہو کر منا سکیں۔

(ماخوذ از اخبار سرفراز لکھنؤ، محرم نمبر ۵۵ ۱۳ھ ص ۴۷ تا ۵۰)

(بقیہ ص ۵۶ کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔(حواشی)۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

(بند نمبر ۱۹) یہ مرثیہ حضرت نسیمؔ امروہوی کے انتقال کے بعد کہا گیا تھا۔ ان کے بارے میں تیس چالیس بند اس میں شامل ہیں جو ''ارمغان نسیم'' میں شائع ہو گئے ہیں۔ اس لئے بہ سببِ اختصار ان کو یہاں حذف کر دیا گیا ہے۔

(بند نمبر ۲۱)(۱) اسید بن ابی اناسی الکنانی، (۲) عبداللہ بن رواحہ، (۳) جمال الدین عرفی متوفی ۹۹۹ھ، (۴) حاجی جان محمد قدسی متوفی ۱۰۵۶ھ، (۵) مجدد الدین ابوالمجد سنائی غزنوی، متوفی ۵۲۵ھ، (۶) ابوعزۃ الجمحی، (۷) ترکی زبان کا نامور شاعر نامق کمال، (۸) فارسی کا مشہور شاعر مصلح الدین سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ھ۔ (۹) اصید بن سلمۃ السلمی، (۱۰) فارسی کا مشہور شاعر محتشم کاشی متوفی ۹۹۶ھ، (۱۱) اوحدالدین انوری فارسی کا عظیم قصیدہ گو، (۱۲) شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن زید بوصیری مصری صاحبِ قصیدہ بردہ۔ متوفی ۶۹۶ھ، (۱۳) قدیم حبشی زبان کا نعت گو شاعر ابو ہلال عبید، (۱۴) فارسی کا مشہور شاعر، (۱۵) عربی کا مشہر مرثیہ گو، (۱۶) عبدالرحمٰن جامیؔ۔ متوفی ۸۹۸ھ

(بند نمبر ۲۲) (۱) خدائے سخن میر انیسؔ، (۲) شاعر اعظم مرزا دبیرؔ، (۳) جناب سید مہدی حسین ماہرؔ لکھنوی، (۴) حضرت امیر مینائی، (۵) حضرت محسنؔ کاکوروی (برصغیر کے عظیم ترین نعت گو)، (۶) جناب خواجہ الطاف حسین حالیؔ، (۷) مرزا اسداللہ خاں غالبؔ، (۸) استاذ الاساتذہ نواب مولوی سید اصغر حسین فاخرؔ لکھنوی، (۹) حضرت سید آلِ رضاؔ (جدید مرثیہ کے معماروں میں ایک اہم نام)، (۱۰) شاعرِ انقلاب حضرت جوشؔ ملیح آبادی، (۱۱) شاعر آل محمدؐ حضرت نسیمؔ امروہوی، (۱۲) نواب سید اختر حسین صاحب مصورؔ لکھنوی، (۱۳) دعبلِ ہند حضرت ذاخرؔ لکھنوی، (۱۴) حسینی شاعر حضرت فضلؔ نقوی لکھنوی۔ (وہ اس وقت حیات تھے جب یہ مرثیہ کہا گیا بعد میں مئی ۱۹۹۱ء میں ان کا انتقال ہو گیا)، (۱۵) لسان الشعراء مولانا سید اولادِ حسین شاعرؔ لکھنویؔ۔

(بند نمبر ۷۴) (۱) نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ از حضرت غوثِ اعظمؒ (۲) ارمغانِ نعت ''مرتبہ شفیقؔ بریلوی''۔ صفحہ ۳۹ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۵ء

(بند نمبر ۷۸) (۱) یہ روایت علامہ بحرینی نے مدینۃ المعاجز میں امام حسنؑ کے معجزات میں لکھی ہے یہ بالکل وہی روایت ہے

❀❀❀

قطعہ

جنابِ مظہر حسین تاجؔ لکھنوی

گر نہیں تیغ تو کیا سیفِ قلم ہاتھ میں ہے
کیوں نہ کر لوں تری نصرت کا ارادہ مسلمؑ
تیرے کردار سے اسلام کو سمجھا ہم نے
بھیڑ بیکار ہے گر ایک ہو سچا مسلمؑ